بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جس طرح عارضۂ جسمانی کے اثرات کو زائل کرنے اور مریض کے اندر تندرستی اور توانائی کے احساسات پیدا کرنے کے لیے چند تدابیر کا اختیار کرنا اشد ضروری ہوتا ہے بالکل اسی طرح کسی شکست خوردہ قوم کے احساسِ شکست کو مٹانے اور اس کے اندر از سرِ نو خود اعتمادی اور حوصلہ مندی پیدا کرنے کے لیے بعض تدابیر سے کام لینا بالکل ناگزیر ہے۔ پرانے وقتوں میں تو مختلف اقوام کے سربراہ اور اربابِ بست و کشاد اپنے اپنے حالات کے مطابق مختلف تدابیر اختیار کر کے یاس و قنوطیت کا تدارک کر لیا کرتے تھے مگر اس موضوع پر کوئی باقاعدہ لٹریچر موجود نہ تھا لیکن دورِ حاضر میں جنگ کے حوصلہ شکن نفسیاتی اثرات کو دُور کرنے کے لیے بڑے بڑے وسیع پیمانے پر تحقیق کی گئی ہے اور اس موضوع پر بعض نہایت قابلِ قدر کتب بھی شائع ہوئی ہیں۔
اِس موضوع کو دورِ حاضر میں اس لیے بھی غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ دنیا کی ہر جارح قوم کمزور قوموں کی آزادی سلب کرنے کے لیے اگر ایک طرف ناقابلِ بیان حد تک تباہ کن آلاتِ حرب استعمال کرتی ہے تو دوسری طرف بڑی چابکدستی اور ہنرمندی سے ایسے نفسیاتی ہتھکنڈے بھی کام میں لاتی ہے جن سے پہلے تو قوم کے اندر دہشت پھیلتی ہے پھر میدانِ جنگ میں اُسے شکست فاش ہوتی ہے اور اس کے حوصلے اس قدر پست اور عزائم اس حد تک مضمحل ہو جاتے ہیں کہ وہ دوبارہ مقابلے میں آ کر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے اور اپنے نقصانات کی تلافی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اس کے میدان میں قدم اس انداز سے اکھڑتے ہیں کہ پھر کبھی جمنے نہیں پاتے اور جُوں جُوں وقت گزرتا ہے اس میں احساسِ زیاں پیدا ہونے کے بجائے یہ احساس مُردہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جلد ہی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اس زیاں کو اپنی فلاح و کامرانی خیال کرنے لگتی ہے اور ذلت و خواری کو اپنا مقدر سمجھتے ہوئے اس پر راضی ہو جاتی ہے۔
چنانچہ دنیا کی ہر باوقار قوم جو اس کرۂ ارض پر عزت و احترام کے ساتھ رہنے کا عزم رکھتی ہے وہ جہاں

دشمن کی جنگی چالوں پر کڑی نگاہ رکھتی ہے اور انہیں ناکام بنانے کی کوشش کرتی ہے وہاں نفسیاتی حربوں سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتی ہے کیونکہ اگر کوئی قوم ذہنی اور جذباتی اعتبار سے مفلوج ہو جائے اور اُس کے عزائم پست ہو جائیں تو پھر اس دنیا میں اس کا وجود بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُس کی حیثیت اُس نمک کی سی ہو جاتی ہے جس کی نمکینی بالکل زائل ہو چکی ہو۔ اور اسے بیکار سی چیز سمجھ کر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں ڈال دیا جائے۔ ان صفحات میں ہم دشمن کی چند نفسیاتی چالوں کی تفصیل درج کرتے ہیں۔

دشمن کسی قوم کے احساسات اور جذبات کو مُردہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ مغلوب قوم کی زندگی جس نظریے سے عبارت ہے اور جس کے زندہ رہنے سے اس کے اندر کسی وقت بھی نئی رُوح بیدار ہو سکتی ہے اُسے ہر قیمت پر فنا کر دیا جائے اور اس کی جگہ اس کے اندر وہ نظریات داخل کیے جائیں جو اس کے ذہن میں انتشار اور عمل میں اضمحلال پیدا کریں۔ اس سلسلے میں تین نوعیتوں کے جائزوں پر نفسیاتی جنگ کا نقشہ تیار کیا جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کی آئیڈیالوجی ناقص ہو اور اس کے بارے میں غالب قوم کو اس امر کا یقین ہو کہ یہ آئیڈیالوجی خود ہی اس قوم کو تباہ کر دیگی تو جارح قوم مغلوب قوم کی آئیڈیالوجی سے تعرض نہیں کرتی۔ نفسیاتی حربے زندگی کے بعض دوسرے شعبوں میں آزمائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر فاتح قوم یہ محسوس کرے کہ مفتوح قوم کی آئیڈیالوجی اس میں زندگی کی حرارت اور ولولہ پیدا کر سکتی ہے اور اُس قوم کو اپنی آئیڈیالوجی پر اعتماد بھی ہے تو پھر اُسے خاصی تشویش لاحق ہوتی ہے اور وہ اس امر کی کوشش کرتی ہے کہ اس آئیڈیالوجی سے اس قوم کا جو گہرا تعلق ہے اسے ختم کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو آئیڈیالوجی میں اس نوعیت کا ردو بدل کر دیا جائے کہ وہ قوم کے تنِ مُردہ میں زندگی نہ پیدا کر سکے۔

غالب قوموں کے ان نفسیاتی ہتھکنڈوں کے مقابلے کے لیے زندہ قومیں ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ چنانچہ حالات کے دباؤ کے تحت اگر انہیں وقتی طور پر میدانِ جنگ میں اپنی شکست بھی تسلیم کرنی پڑے تو اسے تسلیم کر لیتی ہیں مگر اپنی آئیڈیالوجی کا پوری قوت سے تحفظ کرتی ہیں اور اس محاذ پر کسی طرح بھی پسپا

ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔ کیونکہ انہیں اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ اگر دشمن ایک وقت میں ان کے ملک کا کوئی ٹکڑا سلب کر لینے میں کامیاب ہو گیا تو اسے پھر واپس لیا جا سکتا ہے لیکن اگر فاتح قوم کی آئیڈیالوجی مفتوح قوم کی آئیڈیالوجی کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئی اور غالب آئیڈیالوجی نے مغلوب قوم کے دل کے کسی گوشے پر قبضہ کر لیا تو اس گوشے کو کبھی واپس نہ لیا جا سکے گا۔ سلطنتوں کے حدود میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے مگر دل کی دنیا جس نظریے اور نصب العین سے آباد ہوتی ہے وہ اگر ایک مرتبہ اجڑ جائے تو پھر مشکل ہی سے اس پہ بہار آ سکتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی زیرک قومیں ہمیشہ اس نظریاتی شکست سے بچنے کی فکر کرتی ہیں انہیں جس نسبت سے میدانِ جنگ میں ہزیمت اٹھانا پڑتی ہے اسی تناسب سے وہ آئیڈیالوجی کو سینے سے لگائے رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپ دوسری جنگِ عظیم کو ہی لیں جنگ کے آغاز میں جہاں تک میدانِ کارزار کا تعلق ہے، ہٹلر کا پلڑا بھاری رہا اور برطانیہ اور فرانس کو متعدد محاذوں پر شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر اس سارے عرصے میں برطانیہ اور فرانس کے نشر و اشاعت کے وسیع ذرائع جمہوریت پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اعادہ کرتے رہے اور پوری دنیا کو یہ باور کراتے رہے کہ وہ یہ جنگ آئیڈیالوجی کے حفظ و بقا کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس پراپیگنڈے کا ایک مقصد تو محوریوں کے موقف کو کمزور ثابت کرنا تھا مگر دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ انگریز اور فرانسیسی عوام کے ذہنوں سے یہ حقیقت محو نہ ہونے پائے کہ وہ ایک مخصوص نظریۂ حیات کے علمبردار کی حیثیت سے محوریوں کے خلاف صف آرا ہیں اس لیے اس نظریے کے ساتھ ان کی وابستگی میں کبھی کمی نہ آجانی چاہیے کیونکہ اس کمی سے نہ صرف ان کے عزائم مضمحل ہوں گے بلکہ ان کی قوتِ کار اور ان کا جذبۂ ایثار بھی کم ہو گا۔ کسی نصب العین سے محبت ہی کسی قوم کے اندر عمل کی غیر معمولی قوت، صبر و تحمل، ایثار اور تدبر پیدا کرتی ہے اور اس کے ساتھ گہری وابستگی ہی سے اس کی صفوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے جس قوم کا اپنا کوئی الگ نظریہ نہ ہو اس کا الگ وجود بالکل بے معنی ہوتا ہے اور جسے اس نظریے سے عشق نہ ہو اور اس کے دل میں اسے دنیا میں سربلند کرنے کا عزم نہ ہو وہ قوم، قوم نہیں ہوتی بلکہ راکھ کا ڈھیر ہوتی ہے جسے طوفان تو ایک طرف رہا ہوا کے معمولی جھونکے بڑی آسانی کے ساتھ بکھیر دیتے ہیں۔

فاتح قوم مفتوح قوم کی عارضی اور وقتی شکست کو مستقل شکست میں تبدیل کرنے کے لیے دوسرا

نفسیاتی حربہ یہ استعمال کرتی ہے کہ مفتوح قوم کے ذہن میں اس طرح خلفشار پیدا کرتی ہے کہ شکست خوردہ قوم اپنی شکست کے اسباب کا صحیح طور پر ادراک نہیں کر سکتی اور مختلف نوعیتوں کے منطقی مغالطوں میں گرفتار ہو کر ایسا طرزِ عمل اختیار کر لیتی ہے کہ جس سے اُسے مزید تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کبھی سنبھلنے نہیں پاتی۔ اس کا ہر قدم انحطاط کی طرف اٹھتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں اسرائیل نے عربوں کی قوت کو مستقل طور پر برباد کرنے کے لیے جنگ کے بعد جو نفسیاتی چالیں چلی ہیں اُن سے اُن کی نوعیت کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عربوں کے اندر عرب قوم پرستی کے بڑھتے ہوئے جذبات نے انہیں دوسری مسلمان قوموں سے الگ کر دیا اور خود اُن کے اندر انتشار کو جنم دیا۔ عربوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ عرب قومیّت کی تشکیل میں زبان ہی اساس کا کام دے سکتی ہے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ عرب ممالک کے الگ الگ جغرافیائی حدود اور اُن کے اندر رہنے والی مختلف نسلیں بھی چھوٹی چھوٹی قومیتوں کو جنم دے سکتی ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ جب اسلامی قومیت کی تشکیل میں اسلام کو خارج کر دیا جائے تو پھر اہلِ مغرب نے جن دوسری بنیادوں پر قوم پرستی کی تحریک شروع کی ہے اُن میں سے کسی بنیاد کا بھی سہارا لیا جا سکتا ہے۔ زبان اس معاملے میں کوئی واحد اساس نہیں، زبان کے علاوہ اور بہت سی بنیادیں بھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ عرب ممالک نے زبان کی بنیاد پر اکٹھے ہونے کے بجائے جغرافیائی حدود کی اساس پر اپنے آپ کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا اور ان کے مابین اسی نوعیت کی نفرت اور عداوت پیدا ہوئی جو مغرب کی جارحانہ قوم پرستی نے مختلف قوموں کے درمیان پیدا کی ہے۔ مگر کمال دیکھیے اسرائیل کے نفسیاتی ہتھکنڈوں کا کہ عرب شکست کھانے کے بعد بھی شکست کے اس بنیادی سبب کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اُن کی نظریں ہر پھر کر ان وجوہ کی طرف جاتی رہیں جن کی حیثیت بیماری کی علامات کی سی تھی، بیماری کے اصل سبب کی نہ تھی۔

ان مختلف نفسیاتی ہتھکنڈوں میں تیسرا نفسیاتی ہتھکنڈا یہ ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قوم کے اندر کسی مدبر، عاقبت اندیش اور باصلاحیت قیادت کو اُبھرنے نہیں دیا جاتا اور ایسی قیادت کو اس قوم پر مسلط رکھنے کا التزام کیا جاتا ہے جو عوام کے جذبات سے کھیل سکے یا زیادہ صحیح الفاظ میں اُن کا دل بہلا سکے مگر اس میں تعمیری کام کرنے کی نہ تو کوئی امنگ ہو اور نہ صلاحیت۔ البتہ اسے معاشرے میں

سنسنی خیزی پیدا کرنے اور اپنی شخصیت کو مصنوعی طور پر اُبھارنے اور اسے عوام کی توجہ کا مرکز بنانے کا فن ضرور آتا ہو۔ اس قسم کی قیادت سے دشمن تین طرح کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایک تو قوم قائدین کی پیروی میں غیر سنجیدہ ہوجاتی ہے اور اس میں غور و فکر کی صلاحیتیں پروان چڑھنے کے بجائے مفلوج ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ دوسرے قوم کا جتنا قیمتی وقت اس نوعیت کی غیر سنجیدہ سرگرمیوں میں گزرتا ہے وہ ضائع ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی تعمیری قوتیں بھی بیکار رہنے کی وجہ سے زنگ آلود ہوجاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری قوم غیر سنجیدہ روش کو اپنا مستقل طرزِ عمل بنالیتی ہے۔ اور اس طرح دشمن اس مفتوح قوم کے انتقام سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتا ہے کیونکہ کوئی غیر سنجیدہ قیادت اور کوئی غیر سنجیدہ قوم دنیا میں کوئی تعمیری کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ تیسرے قائدین اور قوم کی ان غیر سنجیدہ حرکات کی وجہ سے پوری دنیا میں مفتوح قوم کا بچا کھچا وقار بھی گر جاتا ہے اور کوئی باوقار اور آبرومند قوم بچگانہ حرکات کرنے والی قیادت اور قوم سے کوئی معاملہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ کسی فاتح قوم کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ مفتوح قوم کو ایک ایسی راہ پر لگا دینے میں کامیاب ہوجاتے جس میں سنجیدہ اور تعمیری اندازِ فکر اور اندازِ عمل کا کوئی دخل نہ ہو مگر قوم اس غلط فہمی کا برابر شکار رہے کہ بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے جارہے ہیں اور عظیم الشان تعمیری منصوبوں کی تکمیل ہو رہی ہے۔ مسخرہ پن میں اگر کسی بہت بڑے جری آمر کا پارٹ بھی ادا کیا جائے تو اس سے لوگ وقتی طور پر لطف اندوز تو ہوسکتے ہیں مگر اس ناٹک کا کوئی مستقل اثر قبول نہیں کرسکتے۔ کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ دکھایا جا رہا ہے وہ محض کھیل تماشا ہے اس میں حقیقت کا کوئی پہلو موجود نہیں۔

اگر آپ پاک بھارت کے درمیان حالیہ جنگ کے حالات اور واقعات پر غور کریں تو آپ کو اُن نفسیاتی حربوں کا بآسانی اندازہ ہوسکے گا جو بھارت اہلِ پاکستان کے اندر احساسِ شکست پیدا کرنے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے بالکل تباہ کرنے کے لیے بڑی چالاکی اور عیاری سے استعمال کر رہا ہے۔ ہم میں سے کون اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ اس برِاعظم کی تقسیم ہی اس اصول کی بنیاد پر کی گئی تھی کہ ہندوستان کی دوسری اقوام کی قومیت کی تشکیل میں خواہ مذہب کا کوئی عنصر شامل ہو یا نہ ہو مگر مسلم قومیت کا خمیر اسلام اور صرف اسلام سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلام مسلمانوں کے لیے صرف انفرادی ضابطۂ اخلاق ہی

نہیں بلکہ اُن کی اجتماعی زندگی کا بھی واحد محرک ہے۔ مسلمانوں کے اسلام کے ساتھ اس گہرے اور ہمہ گیر تعلق کو ہٹا کر دیکھیے تو پاکستان کا وجود بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر یہ ملک معرضِ وجود میں آیا، اسی تعلق کی بنیاد پر پاکستان کو ایک الگ ملک کی حیثیت سے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور اسی تعلق پر اس کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ بھارت کے وجود کی تو متعدد سیاسی اور معاشرتی وجوہ بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر پاکستان کے وجود کے لیے اسلام کے سوا کوئی دوسرا جواز نہیں۔ اس پس منظر میں اب ان نفسیاتی ہتھکنڈوں کا جائزہ لیجیے جو پاکستان کے خلاف استعمال کیے جا رہے ہیں۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت بلکہ اس کے ہمنوا ممالک کی پُوری پراپیگنڈہ مشینری پاکستانی باشندوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھانے کی کوشش کر رہی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کا تصور جس کی بنا پر پاکستان قائم ہوا معاذ اللہ ایک باطل خیال ہے کیونکہ اگر یہ خیال درست ہوتا تو آج مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے ٹوٹ کر بھارت سے جُڑنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتا۔ بھارت کے معروف سیاستدانوں اور مشرقی پاکستان کے بعض سربراہوں نے اور دنیا کے پریس نے الفاظ کے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اس باطل خیال کا بار بار اظہار کیا ہے اور ابھی تک کیا جا رہا ہے کہ تقسیم ملک کی یہ بنیاد ہی غلط تھی جسے اب حقائق نے غلط اور غیر حقیقت پسندانہ ثابت کر دیا ہے۔ بیسویں صدی میں قومیت مذہب سے عبارت نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے مادی عناصر سے تشکیل پاتی ہے جن میں جغرافیائی حد بندیاں، رنگ و نسل اور زبان کے اختلافات اور اُن سب سے بڑھ کر کسی خطۂ ارض کے رہنے والوں کے معاشی مفادات فیصلہ کُن اہمیت کے حامل ہیں۔ مشرقی پاکستان جو مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان دونوں خطوں کے رہنے والوں کے مابین یہ سارے اختلافات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ اُن کے رنگ ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ ان کی زبانیں ایک دوسرے سے الگ ہیں اور اُن کے معاشی مفادات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور قومیت کے یہ مادی عناصر مذہبی اور روحانی عناصر سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں اس لیے دورِ حاضر میں جو لوگ مذہب کی اساس پر قومیت کی تشکیل کرنے پر مُصر ہیں وہ یا تو خواب و خیال کی دنیا میں رہنے والے احمق ہیں یا ایسے عیّار افراد ہیں جو مذہب کے نام پر دوسرے لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں مگر چونکہ حماقت اور عیّاری دونوں میں سے کوئی بھی مدتِ دراز تک کامیاب نہیں ہو سکتی اس لیے

مشرقی پاکستان کے طرزِ عمل نے اُن کی سادگی اور چالاکی کا پردہ چاک کر دیا ہے ۔ یہ ہے مختصر الفاظ میں وہ طرزِ فکر اور طرزِ استدلال جس کی بنیاد پر پاکستان کی نظریاتی بیخ کنی کی جا رہی ہے ۔ جو لوگ اس ناپاک مہم کو چلا رہے ہیں انہیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اگر ایک مرتبہ پاکستان کی نظریاتی اساس مسمار کر دی جائے تو پھر مغربی پاکستان کا وجود بھی قائم نہیں رہ سکتا ۔ جُوں جُوں یہ غلط اندازِ فکر عوام کے اندر جڑ پکڑتا چلا جائے گا اسی رفتار سے پاکستان کی بنیاد متزلزل ہوگی اور جلد ہی پاکستان کی پوری عمارت پیوندِ خاک ہو جائے گی ۔ پاکستان اور بیرونِ پاکستان جو لوگ سیکولر ذہن کے ساتھ اس خطۂ ارضِ پاک کے معرضِ وجود میں آنے پر غور کرتے ہیں وہ اسے تاریخ کا ایک عظیم المیہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس سے قومیت کے سارے غیر اسلامی فلسفوں کا ابطال ہوتا ہے اور اس کی نظریاتی اساس کے ضعف سے اُن کے نزدیک قومیت کے ملحدانہ نظریات کو تقویت پہنچتی ہے ۔ اس لیے نہ صرف بھارت بلکہ دنیا کی ساری اسلام دشمن طاقتیں اس نیم برِاعظم میں بسنے والے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو کچھ اس انداز میں پیش کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ اس مادّی دَور میں ایک سرپھری قوم نے جنوں کے عالم میں مذہب کی بنیاد پر ایک الگ خطۂ ارض کی آرزو کی اور اپنی اس آرزو کو پُورا کرنے کے لیے اُس نے آگ اور خُون کے مہیب سمندر میں گزرنا گوارا کیا لیکن چونکہ اس کی یہ آرزو کسی دیوانے کے خواب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی ۔ اس لیے اس کی یہ آرزو پوری طرح پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی خوابِ پریشاں بن کر منتشر ہو گئی ۔

بدقسمتی سے یہاں گزشتہ ۲۴ سال سے جو کچھ ہو رہا ہے اُس سے باطل قوتوں کے یہ اندیشے غلط ثابت ہونے کے بجائے صحیح ثابت ہو رہے ہیں ۔ اس لیے دشمن کا پراپیگنڈا بھی بڑا مؤثر اور کارگر ثابت ہو رہا ہے ۔ خوش فہمیوں میں مبتلا رہنے والے ذہن جو چاہیں کہتے رہیں لیکن اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے جس بنیاد پر پاکستان حاصل کیا تھا اس بنیاد کو ہم نے اپنے غلط طرزِ عمل سے خود غلط ثابت کر دکھایا ہے ۔ اور اسی وجہ سے ہماری ساکھ کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے ۔ ہمارے بارے میں دنیا میں اب یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ ہم ایک جذباتی قوم ہیں جسے حقائق سے مُنہ موڑنے اور خوابوں کے محلات تعمیر کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اس لیے ہم کوئی تعمیری کام نہیں کر سکتے ۔ ہمارے بارے میں اس تاثر کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو آج تنہا پاتے ہیں ۔

دشمن کے اس غلط پراپیگنڈے کے مضر اثرات ہم ہی نہیں ہر شخص خود مغربی پاکستان میں بھی بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے۔ ہماری قومیت کی اسلامی بنیاد کمزور ہونے کی وجہ سے مغربی پاکستان بھی پوری طرح خلفشار کی زد میں ہے اور جو لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں وہ یا تو سخت کوتاہ اندیش ہیں یا ملک کے بدخواہ، کیونکہ وہ ایسے طوفان کی تباہ کاریوں سے صرفِ نظر کر رہے ہیں جس نے حال ہی میں ہمیں شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اسلامی قومیت کے بارے میں جو بات بھارت اور بعض دوسرے سیکولر ممالک کہتے ہیں وہی بات آج بعض نام نہاد مسلمانوں کی زبانوں سے بھی سنی جا رہی ہے کہ ہمیں اسلام کے تصورِ قومیت کو ترک کر کے پاکستانی قوم کی تعمیر کے لیے ایسی مادی بنیادوں کو تلاش کرنا چاہیے جو ہمیں دوسری قوموں کے ساتھ نظریاتی اعتبار سے ہم آہنگ کر دیں۔ ان بنیادوں کی باقاعدہ نشاندہی بھی کی جا رہی ہے۔ کوئی صاحب پاکستان کے مختلف حصّوں کے علاقائی کلچر کو قومیت کی اساس ٹھہرانے پر مصر ہیں، کوئی علاقائی بولیوں کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ اور کوئی مختلف علاقوں کے مادی مفادات کا سہارا لے کر مختلف قومیتوں کو معرضِ وجود میں لانے کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ اس قسم کے باطل افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کا اثر یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے بارے میں بھی اب کچھ لوگ یہ بات ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ پاکستان ایک قومیت کا نہیں بلکہ چار مختلف قومیتوں کا وطن ہے۔ اور اگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے پاکستان کو ایک ملت کا وطن سمجھ کر یہاں اجتماعی معاملات کو طے کرنے کی کوشش کی گئی تو اس حصے کا بھی وہی حشر ہو گا جو مشرقی پاکستان کا ہوا ہے۔ یہ پراپیگنڈا اس چالاکی اور عیاری اور اس ہنر مندی کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ ایک عام آدمی کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ پاکستان کی نوخیز نسلیں جنہوں نے مغربی طرز کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہے اور جو مغربی مفکرین کے افکار و نظریات پر پورا پورا ایمان رکھتی ہیں وہ اس مکروہ پروپیگنڈے سے بُری طرح متاثر ہو رہی ہیں اور اسلامی قومیت کے بارے میں اس غلط خیال کو ایک ناقابلِ تردید سچائی کی حیثیت سے قبول کرتی چلی جا رہی ہے۔ اگر یہ زہر جس کے اثرات ابھی ایک خاص طبقے تک محدود ہیں مغربی پاکستان کے رگ و پے میں سرایت کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر مغربی پاکستان کو بھی کوئی چیز تباہی سے بچا نہ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں کو اس تباہی سے محفوظ رکھے مگر حالات کا دھارا جس رُخ بہ رہا ہے اُسے دیکھتے ہوئے سخت تشویش لاحق ہوتی ہے، کیونکہ اس رُخ پر بربادی کے نہایت واضح نشانات ملتے ہیں اور عقل بھی ان خدشات اور اندیشوں کی پوری

طرح تصدیق کرتی ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ اگر مسلمان اسلام کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک ملت کی حیثیت سے زندہ رہنا پسند نہیں کرتے اور اپنی شیرازہ بندی، خاک و خون کی بنیاد پر کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کا منتشر ہونا ایک قدرتی امر ہے بلکہ اُن کا متحد رہنا ایک امر محال ہے۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا کی جو قوم ملتِ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ مختلف علاقوں، مختلف نسلوں، مختلف رنگوں کے افراد پر مشتمل ہے۔ انہیں رنگ و نسل کے وسیع اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے جوڑنے والی قوت محض اسلام ہے جب آپ اس قوتِ رابطہ کو توڑ دیں گے تو ملت کے اجزا لازمی طور پر بکھر کر رہ جائیں گے۔ اسلام دشمن طاقتیں اسی نہج پر کام کر رہی ہیں۔ دشمن کے اس حربے کو ناکام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہماری جس بنیاد کو وہ ڈھا رہی ہیں، ہم اس کی پوری قوت سے حفاظت کریں۔

دشمن کا دوسرا نفسیاتی ہتھکنڈا جس کا ہم نے گذشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے یہ ہے کہ پہلے مرحلے پر تو اسبابِ شکست کے بارے میں پریشان خیالی پیدا کی جائے تاکہ نہ تو شکست خوردہ قوم ان کی صحیح طور پر نشاندہی کر سکے اور نہ ان کے تدارک کا اہتمام کر سکے کیونکہ جب تک کوئی طبیب مرض کی صحیح طور پر تشخیص نہ کرے اس وقت تک وہ صحیح علاج نہیں کر سکتا۔ جو لوگ امت کے مزاج سے اچھی طرح آشنا ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں ہماری منافقانہ روش نے ہمیں تباہی سے دوچار کیا ہے۔ اسلام سے بے تعلقی بلکہ بعض حالات میں بغاوت کی وجہ سے ہم باری تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو گئے ہیں، ہمارا اخلاق تباہ ہوا ہے ہمارے اندر فسق و فجور نے زور پکڑا ہے اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اُن منکرات کو راہ پانے کا موقع ملا ہے جنہیں اسلام دنیا سے مٹانے کے لیے آیا ہے ہم نے بندگیٔ رب کے صحیح طرزِ عمل کو چھوڑ کر خدا سے سرکشی کی راہ اختیار کی ہے ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو اپنا سرمایۂ حیات بنانے کے بجائے مغربی افکار و نظریات پر فریفتہ ہونا سیکھا ہے۔ ہم نے اسلامی اخلاق کو اپنانے کے بجائے مغربی اخلاق کا نمونہ بننے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اسلامی حُدود کو بڑی بے دردی سے پامال کیا ہے اور اسے روشن خیالی اور ترقی پسندی سمجھا ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ منکرات کا زہر ہماری زندگی کے سارے گوشوں میں سرایت کر رہا ہے۔ آرٹ اور کلچر کے نام پر

ہمارے ہاں بے حیائی کو فروغ دینے کے مواقع فراہم کیے گئے، تفریح کی آڑ میں ہماری قوم کے ایک اچھے خاصے طبقے کو شاہد وشراب کا لذت آشنا بنایا گیا اور آہستہ آہستہ ہماری زندگی سے وہ ساری خوبیاں ناپید ہونے لگیں جو ہمارا سرمایۂ حیات تھیں اور جن کی وجہ سے ہم دنیا میں سربلند تھے اور اُن کی جگہ وہ ساری بُرائیاں ہمارے ہاں رواج پانے لگیں جن کے استیصال کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے امتِ وسط کے بلند منصب سے سرفراز فرمایا ہے۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ کسی قوم کی ترقی خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنے نصب العین سے گہری محبت اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی ڈھالنے سے ہی وابستہ ہے۔ کسی قوم کا جس نسبت سے اپنے نصب العین سے عشق ہوگا اسی تناسب سے اس کے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایک ایسی قوم جس کا اپنے نصب العین سے بس اتنا ہی تعلق ہو کہ وہ کبھی کبھار زبان سے اس کا تذکرہ کر دے مگر اس کی زندگی میں اس نصب العین کی کوئی جھلک موجود نہ ہو بلکہ اُس کی حیات کے سارے گوشوں میں اس نصب العین کے برعکس دوسرے نظریات کے رنگ نمایاں ہوں تو اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ یہ دنیا کی کوئی عظیم قوم بن سکتی ہے بہت بڑی حماقت ہے۔ دورنگی اور منافقت نہ صرف کسی قوم کے اساسی تصورات میں انتشار اور عمل میں اضمحلال پیدا کرتی ہے بلکہ اس کے اندر دوسری اقوام کی بُرائیوں کو قبول کرنے کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ نصب العین کے ساتھ یہ منافقانہ تعلق قوموں کو بلندی کی طرف نہیں بلکہ پستی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ ہے سیدھا سا تجزیہ ہماری شکست کا مگر دادِ دیجیے دشمنوں کے نفسیاتی ہتھکنڈوں کی کہ ہمارے ذہنوں کو اس صحیح تجزیے کی طرف منتقل ہی نہیں ہونے دیا جا رہا کہ کہیں ہم مرض کا صحیح طور پر مداوا نہ کر سکیں۔ ہماری سوچ کو بڑی عیاری کے ساتھ اسبابِ شکست کی تلاش کے معاملے میں بھی بڑی غلط راہ پر ڈالا جا رہا ہے۔ اِس چالاکی اور عیّاری کی یوں تو متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں مگر یہاں ہم صرف ایک مثال درج کرتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کا سانحہ جن بدکردار اور عیاش حکمرانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے پیش آیا ہے اس سے عوام کے اندر شراب وشاہد کے بارے میں شدید بیزاری پیدا ہوتی ہے اور لوگوں پر یہ تلخ حقیقت آشکارا ہوئی ہے کہ غیر اسلامی طرزِ زندگی نے ہمارے اخلاق کو تباہ کیا ہے اور اخلاق کی تباہی ملک کی تباہی پر منتج ہوئی ہے۔ غور وفکر کے اس انداز سے دشمنوں کو اس بات کا شدید خطرہ لاحق ہوا کہ

کہیں فسق وفجور سے عوام کی یہ بیزاری ان کے اندر اسلامی نظامِ حیات کے حق میں کوئی تعمیری جذبہ نہ بیدار کر دے اور وہ اسلام سے انحراف کی راہ چھوڑ کر کہیں عزم کے ساتھ اسلام کی راہ پر نہ چل نکلیں۔ اس "خطر" کی پیش بندی کے لیے عجیب وغریب حربے استعمال کیے جا رہے ہیں کہیں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ آخر مغربی قومیں بھی تو شراب وشاہد کی رسیا ہیں ان کے حصے میں یہ ذلت وخواری کیوں نہیں آئی۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ بھارت بھی تو آخر اس برائی سے یکسر پاک نہیں پھر اسے کیوں فتح نصیب ہوئی ہے اور ہمارے حصے میں شکست آئی ہے۔ کبھی یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ شراب انسان کے قویٰ کو مضمحل نہیں کرتی بلکہ ان کے اندر توانائی پیدا کرتی ہے، کبھی دنیا کی معروف شخصیتوں اور نامور سپہ سالاروں کی نشاندہی کر کے ان کے بارے میں یہ انکشاف کیا جاتا ہے کہ ان کا دامن بھی ان برائیوں سے داغدار تھا۔ ان سارے نفسیاتی حربوں کے استعمال کرنے کا مقصد بجز اس کے اور کیا ہے کہ قوم کے اندر شکست کے بعد اپنے اخلاقی انحطاط کا وقتی طور پر جو احساس بیدار ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں جو ایک خوشگوار ردِعمل پیدا ہونے کے امکانات روشن ہوئے ہیں انہیں ختم کر دیا جائے۔ ہم یہ بات باور کرنے سے قاصر ہیں کہ جو لوگ اس قسم کی بیہودہ باتیں کر رہے ہیں وہ حقیقت سے ناواقف ہیں اور اس عظیم فرق کو سمجھنے سے معذور ہیں جو مغربی قوموں کے مزاج اور ایک مسلمان قوم کے مزاج کے درمیان پایا جاتا ہے۔ شراب وشاہد سے تعلق نے دنیا کی کسی قوم کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اس کی تباہی کا سامان ہی فراہم کیا ہے۔ فرانس کی شکست کے بعد وہاں کے مفکرین نے جب اپنی اس بربادی پر غور کیا تو انہوں نے اس حقیقت کا نہایت واضح طور پر اعتراف کیا کہ فرانسیسی قوم کی تباہی میں ان دو برائیوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ مغربی مفکرین اور اطبا میں سے کوئی ایک ایسا نامور مفکر یا طبیب نظر نہیں آتا جس نے ان برائیوں کی ضرر رسانیوں سے انکار کیا ہو۔ البتہ ہمارے ہاں بعض ایسے بزرجمہر پائے جاتے ہیں جو ان برائیوں میں بھی بھلائی کے متعدد پہلو دیکھتے ہیں۔

باقی رہا یہ استدلال کہ اگر مغربی اقوام ان برائیوں کے ہوتے ہوئے بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ یہ خود اسے پیش کرنے والوں کی فکری بے مائیگی کی شہادت فراہم کرتا ہے۔ یہ استدلال اس غلط مفروضے پر مبنی ہے کہ کسی قوم کے نصب العین اور اس کے ضابطۂ اخلاق کے مابین کوئی گہرا ربط نہیں ہوتا۔ قوم کسی نصب العین کے ساتھ جو ضابطۂ اخلاق بھی چاہے اپنا سکتی ہے (باقی صفحہ)